ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2901

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: قواعد و مصطلحات حدیث (2901) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: کتبِ حدیث کی اقسام — جامع، سنن، مسند، معجم، مفرد اور مستخرج

سوال نمبر 1: کتب حدیث میں جامع، سنن، مسند، معجم، مفرد اور مستخرج کی تعریف کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

حدیث نبوی کی حفاظت اور تدوین اسلامی تاریخ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال دوسری امتوں میں نہیں ملتی۔ ابتدائی ادوار میں احادیث سینہ بہ سینہ اور منتخب تحریروں میں محفوظ رہیں، پھر دوسری اور تیسری صدی ہجری میں محدثین نے باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا تو احادیث کو جمع کرنے کے مختلف اسالیب اور مناہج اختیار کیے گئے۔ ہر محدث نے اپنے مقصد، اپنے زمانے کی علمی ضرورت اور اپنے ذوق کے مطابق ترتیب منتخب کی، چنانچہ کتب حدیث کی متعدد قسمیں وجود میں آئیں جن میں سے ہر قسم کا اپنا نام، اپنی تعریف، اپنی ترتیب اور اپنا خاص فائدہ ہے۔ طالب علمِ حدیث کے لیے ان اصطلاحی ناموں کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ کتاب کا نام سنتے ہی اس کے منہج اور اس سے استفادے کا طریقہ واضح ہو جائے، اور وہ یہ جان سکے کہ مطلوبہ حدیث کس نوعیت کی کتاب میں تلاش کرنی چاہیے۔ ذیل میں سوال میں مذکور چھ اہم اقسام — جامع، سنن، مسند، معجم، مفرد اور مستخرج — کی تعریف، خصوصیات اور مشہور مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ تمام تعریفات اصولِ حدیث کی معتبر کتابوں میں بیان کردہ معیاری مفاہیم پر مبنی ہیں۔

1 — جامع

جامع اس کتابِ حدیث کو کہتے ہیں جس میں دین کے تمام بنیادی شعبوں سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں، یعنی اس میں عقائد، احکام و عبادات، سیر و مغازی، آداب و اخلاق، تفسیر، مناقب و فضائل، فتن و اشراطِ قیامت اور رقاق و زہد وغیرہ ہر موضوع کی احادیث موجود ہوں۔ اصطلاحِ محدثین میں عام طور پر آٹھ ابواب کو اس کی تکمیل کی علامت سمجھا گیا ہے: العقائد، الاحکام، السیر، الادب، التفسیر، الفتن، اشراط الساعۃ اور المناقب۔ جس کتاب میں یہ تمام عنوانات آ جائیں وہ جامع کہلاتی ہے، اور اگر کسی کتاب میں ان میں سے بعض عنوانات نہ ہوں تو وہ جامع کے کامل نمونے میں شمار نہیں ہوتی۔ اس قسم کی سب سے مشہور اور سب سے بلند پایہ مثالیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں، جنہیں ان کے جامع مضامین ہی کی بنا پر جوامع کہا جاتا ہے، نیز جامع ترمذی بھی اپنی وسعت اور ابواب کی تکمیل کی وجہ سے اسی زمرے میں آتی ہے۔ جامع کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ طالب علم کو ایک ہی کتاب سے دین کے تقریباً ہر شعبے کی بنیادی رہنمائی مل جاتی ہے، اسی لیے جوامع کو کتب حدیث میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔

2 ـــ سنن

سنن اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع کی گئی ہوں، یعنی طہارت سے کتاب شروع ہو کر نماز، زکاۃ، صیام، حج، بیوع، نکاح، حدود اور قضا وغیرہ کے ابواب اسی ترتیب سے آئیں جس ترتیب سے فقہ کی کتابیں مرتب ہوتی ہیں، اور اس میں زیادہ تر وہی احادیث لائی جائیں جو احکام سے متعلق ہوں یعنی مرفوع احکام والی روایات پر زور ہو۔ سنن کا مقصد فقہی استدلال میں سہولت پیدا کرنا تھا تاکہ فقیہ اور طالب علم کو ہر مسئلے کی دلیل ایک ہی باب میں منظم صورت میں مل سکے۔ اس نوع کی مشہور کتابیں سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن ترمذی ہیں، جنہیں سنن اربعہ کہا جاتا ہے، نیز سنن دارمی، سنن دار قطنی اور سنن کبریٰ بیہقی بھی اسی سلسلے کی اہم کتابیں ہیں۔ سنن کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں عقائد، فضائل اور تاریخی روایات نسبتاً کم ہوتی ہیں اور مرکزِ توجہ عملی احکام ہوتے ہیں، البتہ بعض سنن میں مصنف نے ضرورت کے مطابق حسن اور ضعیف درجے کی احادیث بھی درج کی ہیں اور ان کے درجے کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جامع کا دائرہ دین کے تمام شعبوں تک پھیلا ہوتا ہے جبکہ سنن کا دائرہ بنیادی طور پر احکام تک محدود رہتا ہے۔

3 ـــ مسند

مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث صحابہ کرام کی ترتیب پر جمع کی گئی ہوں، یعنی ہر صحابی کی مرویات کو اس کے نام کے تحت الگ الگ جمع کر دیا جائے، خواہ ان روایات کے موضوعات مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ اس ترتیب میں مصنف کبھی صحابہ کو ان کے اسلام لانے کی تقدم و تاخر کے لحاظ سے، کبھی فضیلت و مرتبے کے لحاظ سے، کبھی قبائل کی نسبت سے اور کبھی حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کرتا ہے۔ اس نوع کی سب سے عظیم مثال امام احمد بن حنبل کی مسند احمد ہے جس میں تقریباً چالیس ہزار احادیث تیسے زائد صحابہ کی مرویات کی صورت میں جمع ہیں، اس کے علاوہ مسند ابی یعلیٰ، مسند بزار، مسند ابی حنیفہ اور مسند شافعی بھی اسی صنف کی نمائندہ کتابیں ہیں۔ مسند کا خاص فائدہ یہ ہے کہ کسی معین صحابی کی تمام مرویات ایک جگہ مل جاتی ہیں اور کسی راوی کے متعلق تحقیق میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے، البتہ اس ترتیب کی ایک مشکل یہ ہے کہ مبتدی طالب علم کے

لیے کسی خاص موضوع کی حدیث تلاش کرنا دشوار ہوتا ہے کیونکہ ایک ہی موضوع کی احادیث مختلف صحابہ کے ناموں کے تحت بکھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر بعد کے علماء نے مسانید کی احادیث کو موضوعاتی ترتیب سے دوبارہ بھی مرتب کیا۔

4 — معجم

معجم اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مؤلف اپنے شیوخ کی ترتیب پر احادیث جمع کرے، عموماً شیوخ کے ناموں کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کر کے ہر شیخ کے تحت اس سے سنی ہوئی احادیث درج کرے۔ بعض معاجم میں ترتیب صحابہ کے ناموں کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے، لیکن اس صنف کی اصل پہچان یہی ہے کہ ترتیب اشخاص یعنی راویوں یا شیوخ کے ناموں پر ہو اور وہ ترتیب حروفِ معجم کے مطابق ہو۔ اس سلسلے کی سب سے مشہور کتابیں امام طبرانی کی تین معاجم ہیں: المعجم الکبیر جو صحابہ کی ترتیب پر ہے، المعجم الاوسط جو شیوخ کی ترتیب پر ہے اور المعجم الصغیر جو شیوخ کے ناموں سے مرتب ہے۔ معجم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں بہت سی وہ احادیث مل جاتی ہیں جو جوامع اور سنن میں نہیں ہوتیں، کیونکہ مؤلف اپنے ہر شیخ سے سنی ہوئی روایات کو جگہ دیتا ہے چاہے وہ روایت مشہور کتابوں میں پہلے آ چکی ہو یا نہ آئی ہو۔ اسی لیے عللِ حدیث اور طرق و شواہد کی تحقیق میں معاجم کو خاص اہمیت حاصل ہے، اگرچہ ان میں ضعیف روایات کی آمیزش بھی ہوتی ہے اس لیے ان سے استفادے میں درجۂ حدیث کی تحقیق لازم رہتی ہے۔

5 — مفرد

کتبِ حدیث کی اقسام میں مفرد سے مراد وہ تصنیف ہے جو کسی ایک ہی موضوع، ایک ہی باب یا ایک ہی قسم کے مخصوص مسئلے پر مرکوز ہو، یعنی مؤلف کسی ایک منتخب عنوان کو لے کر اس کے متعلق احادیث و آثار کو یکجا کر دے، بجائے اس کے کہ وہ تمام دینی موضوعات کو محیط کتاب تیار کرے۔ اس تعبیر کا تعلق بعض اصولِ حدیث کی کتابوں میں کتابوں کی موضوعاتی تقسیم سے بیان ہوا ہے کہ جب کسی محدث کی پوری توجہ ایک ہی فن یا ایک ہی موضوع پر ہو تو اس کی کتاب اسی وصف سے پہچانی جاتی ہے۔ ایسی تصنیفات کی عملی مثالیں مختلف فنون میں ملتی ہیں، مثال کے طور پر صرف جہاد، صرف زہد و رقاق، صرف دعاؤں اور اذکار یا صرف شمائل و اخلاقِ نبوی پر لکھی گئی کتابیں اسی طرز کی نمونہ ہیں، جن میں مؤلف کا مقصد کسی ایک پہلو کی مکمل رہنمائی فراہم کرنا ہوتا ہے۔ یہاں یہ تنبیہ مناسب ہے کہ لفظ مفرد کا ایک دوسرا استعمال روایت کی اصطلاح میں فرد اور غریب

کے مباحث میں بھی ہوتا ہے، لیکن کتابوں کی اقسام کے سیاق میں اس سے مراد یک موضوعی تصنیف ہی لی جاتی ہے، اور نصابی کتاب میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق اسی مفہوم کو سامنے رکھنا چاہیے۔ مفرد نوعیت کی کتابوں کا فائدہ یہ ہے کہ قاری کو منتخب موضوع پر جامع اور مرکوز مطالعہ میسر آتا ہے اور تحقیق کرنے والے کو ایک مسئلے کے تمام طرق ایک جگہ مل جاتے ہیں۔

6 — مستخرج

مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کوئی محدث کسی دوسری مشہور کتابِ حدیث، مثلاً صحیح بخاری یا صحیح مسلم، کی احادیث کو اپنی الگ اسناد کے ساتھ روایت کرے، یعنی اصل کتاب کے متن وہی رہیں لیکن راوی ان متون تک اپنے شیوخ کے ذریعے اپنی سندوں سے پہنچے اور بعض اوقات لفظی اختلاف یا اضافی فائدہ بھی درج کرے۔ گویا مستخرج لکھنے والا اصل مؤلف کی سند اختیار نہیں کرتا بلکہ اس کی کتاب کے متون کو اپنی مستقل اسناد سے بیان کرتا ہے، شرط یہ ہے کہ وہ انہی متون کو جمع کرے جو اصل کتاب میں موجود ہوں۔ اس صنف کی مشہور مثالوں میں مستخرج ابی عوانہ جو صحیح مسلم پر ہے، مستخرج ابی نعیم اصبہانی جو صحیحین پر ہے اور مستخرج اسماعیلی وغیرہ شامل ہیں۔ مستخرجات کے فوائد متعدد ہیں: ان سے اصل کتاب کی احادیث کو اضافی طرق مل جاتے ہیں، کہیں اصل روایت کی مشکل عبارت کی وضاحت دوسرے لفظ سے ہو جاتی ہے، کہیں راوی کے نام کی تعیین یا مبہم عبارت کی تشریح حاصل ہوتی ہے اور مجموعی طور پر حدیث کی تقویت اور تائید ہوتی ہے۔ اسی لیے محققین جب کسی حدیث کے تمام طرق جمع کرتے ہیں تو مستخرجات ان کے اہم مآخذ میں شامل ہوتی ہیں۔

جدول 1: چھ اقسام کا خلاصہ و تقابل

قسم	ترتیب / بنیاد	مشہور مثال
جامع	دین کے تمام شعبے: عقائد، احکام، سیر، تفسیر، فتن، مناقب وغیرہ	صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی

سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ	فقہی ابواب کی ترتیب، احکام کی احادیث پر زور	سنن
مسند احمد بن حنبل	صحابہ کے ناموں کی ترتیب، ہر صحابی کی مرویات الگ	مسند
معاجم طبرانی (کبیر، اوسط، صغیر)	شیوخ یا صحابہ کے نام، حروفِ تہجی کی ترتیب	معجم
زہد، جہاد، اذکار و شمائل پر یک موضوعی کتابیں	ایک ہی منتخب موضوع یا باب پر مرکوز تصنیف	مفرد
مستخرج ابی عوانہ، مستخرج ابی نعیم	دوسری کتاب کے متون اپنی الگ اسناد کے ساتھ	مستخرج

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ جامع وسعتِ موضوعات کی، سنن فقہی ترتیب کی، مسند صحابہ وار ترتیب کی، معجم شیوخ وار حروفِ تہجی کی ترتیب کی، مفرد یک موضوعی توجہ کی اور مستخرج اصل کتاب کے متون کو نئی اسناد سے روایت کرنے کی پہچان ہے۔ ان اصطلاحات کی پہچان سے طالب علم نہ صرف کتاب کے منہج کو سمجھ سکتا ہے بلکہ اپنی مطلوبہ روایت کی تلاش میں درست کتاب کا انتخاب بھی کر سکتا ہے، اور یہی بصیرت علمِ حدیث کے مطالعے کی پہلی سیڑھی ہے۔

سوال نمبر 2: علمِ ضروری و علمِ نظری اور علامہ انور شاہ کشمیری کی تقسیمِ متواتر

سوال نمبر 2: علم ضروری اور علم نظری میں فرق واضح کریں اور علامہ انور شاہ کشمیری کی متواتر حدیث کی تقسیم پر بحث کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

خبر اور اطلاع کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کی درجہ بندی اصولِ حدیث اور علمِ کلام دونوں کی بنیادی مباحث میں سے ہے۔ محدثین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب خبروں کو قبول کرنے کے معیارات اسی بنیاد پر قائم کیے ہیں کہ کس خبر سے کس درجے کا علم حاصل ہوتا ہے، آیا وہ علم ایسا ہے جو خود بخود حاصل ہو جاتا ہے یا اس

کے لیے غور و فکر اور دلیل و استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی درجہ بندی کے اہم ترین دو عنوان علمِ ضروری اور علمِ نظری ہیں، اور خبرِ متواتر کی حیثیت کا تعین بھی اسی بحث سے جڑا ہوا ہے، کیونکہ متواتر خبر کے متعلق مشہور موقف یہ ہے کہ وہ علمِ ضروری یعنی یقینی اور بدیہی علم دیتی ہے۔ سوال کے دوسرے حصے میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی متواتر کی تقسیم زیرِ بحث ہے۔ علامہ کشمیری برصغیر کے عظیم محدث تھے، ان کی کتاب فیض الباری شرح صحیح بخاری اصولِ حدیث کے دقیق مباحث کے لیے ممتاز مقام رکھتی ہے، اور انہوں نے تواتر کی بحث میں جمہور کے سادہ موقف سے آگے بڑھ کر باریک تقسیم اور تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ ذیل میں پہلے علمِ ضروری اور علمِ نظری کا فرق جدول و تفصیل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے، پھر متواتر کی عمومی تعریف کے بعد علامہ کشمیری کی تقسیم اور اس کے علمی نکات پر بحث کی گئی ہے۔ اس بحث میں یہ اصول پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ کسی عالم کی طرف کوئی بات اسی احتیاط سے منسوب کی جائے جو علمی امانت کا تقاضا ہے۔ اور یہاں تقسیم کی تفصیل میں اہلِ علم کے بیانات مختلف صورتوں میں ملتے ہیں وہاں اس کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔

علمِ ضروری کی تعریف

علمِ ضروری اس علم کو کہتے ہیں جو انسان کو بغیر غور و فکر، بغیر دلیل کے قیام اور بغیر کسب و کوشش کے خود بخود حاصل ہو جائے، اس طرح کہ انسان اسے رد کرنے یا اس میں شک کرنے پر قادر ہی نہ ہو۔ اس کی نمایاں مثالیں حواس کے ذریعے حاصل ہونے والا علم ہے، جیسے آنکھ سے کسی چیز کا دیکھنا، کان سے آواز کا سننا، اسی طرح اپنے وجود کا علم، بھوک پیاس اور درد و راحت کا احساس، اور وہ بدیہی عقلی حقائق جنہیں ذہن بلا تردد تسلیم کر لیتا ہے، مثلاً یہ کہ کل اپنے جز سے بڑا ہوتا ہے اور ایک چیز ایک ہی وقت میں دو متضاد حالتوں میں نہیں ہو سکتی۔ علمِ ضروری کی دو بڑی قسمیں اہلِ علم نے بیان کی ہیں: ایک وہ جو حواسِ خمسہ سے ملے، دوسری وہ جو بداہتِ عقل سے ملے۔ اس علم کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں دلیل طلب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس کا انکار کرنے والا عملاً بھی اپنے انکار پر قائم نہیں رہ سکتا۔ خبر کے باب میں اسی معیار کو سامنے رکھ کر کہا جاتا ہے کہ خبرِ متواتر اتنی کثیر اسناد اور متنوع ذرائع سے آتی ہے کہ اس کے جھوٹ پر اتفاق عادۃً محال ہوتا ہے، چنانچہ وہ سننے والے کے لیے ضروری علم کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

علمِ نظری کی تعریف

علمِ نظری اس علم کو کہتے ہیں جو فوری اور خود کار طور پر حاصل نہ ہو بلکہ اس کے حصول کے لیے نظر و فکر، مقدمات کی ترتیب اور دلیل و استدلال کی ضرورت ہو، جیسے ریاضی کے پیچیدہ مسائل کا حل، طبیعیات کے قوانین کا اثبات اور فلسفے و کلام کے گہرے مسائل۔ اس علم میں انسان غلطی بھی کر سکتا ہے، اس لیے اہلِ علم میں اختلاف بھی ہوتا ہے، اور ہر شخص کو یہ علم یکساں حاصل بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہ ذہانت، مطالعے اور استدلال کی صلاحیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ خبرِ واحد کے باب میں اسی فرق کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے کہ جمہور اصولیین کے نزدیک خبرِ واحد بذاتِ خود ظنی ہوتی ہے، البتہ قرائن شامل ہو جائیں تو بعض صورتوں میں اس سے علمی فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس تقابلی مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ علمِ ضروری یقین کی سب سے بلند اور مسلمہ صورت ہے جبکہ علمِ نظری بھی یقین تک پہنچا سکتا ہے مگر استدلال کے مرحلے سے گزر کر، اور دونوں کے درمیان فرق حصول کے طریقے کا ہے، محض اہمیت کا نہیں۔

جدول 1: علمِ ضروری اور علمِ نظری کا فرق

پہلو	علمِ ضروری	علمِ نظری
حصول کا طریقہ	بغیر غور و فکر اور دلیل کے خود بخود حاصل ہوتا ہے	نظر و فکر، مقدمات اور استدلال کے بعد حاصل ہوتا ہے
مثالیں	حواس کا علم، اپنے وجود اور بھوک پیاس کا احساس، بدیہی عقلی حقائق	ریاضی و طبیعیات کے مسائل، کلامی و فلسفیانہ مباحث
شک کی گنجائش	شک اور تردد کی گنجائش عملاً نہیں رہتی	غلطی اور اختلافِ رائے کی گنجائش رہتی ہے
اشخاص میں تفاوت	تمام اہلِ شعور کو یکساں حاصل ہوتا ہے	ذہانت اور مطالعے کے فرق سے متفاوت ہوتا ہے

بعض اخبارِ آحاد قرائن سے اس درجے تک پہنچتی ہیں	خبرِ متواتر اسی قبیل کا علم دیتی ہے	خبر سے تعلق

خبرِ متواتر: عمومی تعریف

متواتر وہ خبر ہے جسے ہر طبقے میں اتنے زیادہ راوی روایت کریں کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا یا اتفاقاً ایک ہی غلط بات بنالینا عادۃً محال ہو، اور خبر کا مبدأ حس یعنی مشاہدہ یا سماع ہو۔ اصولیین نے اس کے لیے عام طور پر تین شرائط بیان کی ہیں: راویوں کی کثرت ہر طبقے میں، ان کے جھوٹ پر اتفاق کا عادۃً محال ہونا، اور خبر کا حسی بنیاد پر ہونا۔ متواتر کی دو مشہور قسمیں ہیں: متواترِ لفظی، جس میں الفاظ بھی بعینہٖ متواتر ہوں، جیسے حدیثِ من کذب علیّ متعمداً کی روایت جسے بڑی تعداد میں صحابہ نے روایت کیا، اور متواترِ معنوی، جس میں الفاظ مختلف ہوں مگر ایک مشترک معنی سب طرق میں پایا جائے، جیسے رفعِ یدین دعا اور مسحِ خفین وغیرہ کے متعدد واقعات سے ثابت ہونے والے مشترک مفاہیم۔ جمہور اصولیین و محدثین کے نزدیک متواتر قطعی الثبوت ہے اور علمِ یقینی دیتی ہے، اسی لیے اس کا انکار علمی دنیا میں نہایت سنگین سمجھا گیا ہے۔ تاہم تواتر کی ہر مثال ایک ہی درجے کی نہیں ہوتی، اسی نکتے کو علامہ کشمیری نے اپنی بحث کا محور بنایا۔

علامہ انور شاہ کشمیری کی تقسیمِ متواتر

علامہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری اور دیگر تحقیقات میں تواتر کی بحث کو جمہور کی عمومی تعریف سے آگے بڑھا کر زیادہ دقیق صورت میں پیش کیا۔ ان کی تقسیم کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ متواتر کی تمام مثالیں علم کے ایک ہی درجے پر نہیں ہوتیں، بلکہ روایت کے مبدأ، راویوں کی صورتِ حال اور خبر کی نوعیت کے اعتبار سے ان میں درجہ بندی پائی جاتی ہے۔ نصابی درس میں ان کی تقسیم عموماً اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے متواتر کو اس کے حاصل ہونے والے علم کے اعتبار سے دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا: ایک وہ متواتر جس سے علمِ ضروری حاصل ہوتا ہے، یعنی جس کی خبر اس قدر مشہور و مسلم اور کثیر الطرق ہو کہ سننے والا بغیر مطالعہ و استدلال کے اس کا یقین کر لیتا ہے، اور دوسری وہ متواتر جس سے حاصل ہونے والا علم نظری درجے کا ہوتا ہے، یعنی اس کی کثرتِ طرق اور شرائطِ تواتر کی تحقیق کے لیے اہلِ فن کو باقاعدہ جستجو اور استدلال کرنا پڑتا ہے اور غیر

ماہر کے لیے وہ خبر خود بخود بدیہی نہیں ہوتی۔ اس تقسیم کی روح یہ ہے کہ تواتر کا دعویٰ ہر جگہ یکساں قوت نہیں رکھتا، بلکہ بعض اخبار ابتدا ہی سے امت میں اس درجے پھیلی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کا علم ہر خاص و عام کو حاصل ہوتا ہے، جبکہ بعض اخبار کی کثرت صرف کتبِ حدیث کے طرق گننے سے ظاہر ہوتی ہے جس تک رسائی ماہرین ہی کی ہوتی ہے۔

اس تقسیم کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ علامہ کشمیری نے تواتر کو لفظ و معنی کے اعتبار سے متواترِ لفظی اور متواترِ معنوی کی معروف تقسیم کو بھی اپنے انداز میں جانچا اور یہ نکتہ واضح کیا کہ متواترِ معنوی میں مشترک معنی کا استخراج خود ایک اجتہادی و نظری عمل ہے، لہٰذا اس کا علم بھی بہت سی صورتوں میں نظری ہی کہلائے گا، کیونکہ مشترک قدر کی تعیین میں اہلِ علم کا اختلاف ممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اس غلط فہمی کی بھی اصلاح کی کہ خبرِ واحد محض اس لیے ہمیشہ ظنی رہتی ہے کہ وہ واحد ہے؛ ان کے نزدیک بعض اخبارِ آحاد ایسے قوی قرائن سے گھری ہوتی ہیں کہ امت کی تلقی بالقبول اور عمل کا سلسلہ انہیں یقینی درجے کے قریب پہنچا دیتا ہے، چنانچہ محض لفظی تقسیم کے بجائے واقعاتی قوت کو دیکھنا چاہیے۔ یہاں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ کشمیری کی اصل عبارات اور دقیق نکات کا درست علم ان کی کتبِ تحقیقات ہی سے حاصل ہوتا ہے، اور اس جواب میں ان کی تقسیم کا خلاصہ معیاری اصولِ حدیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، اسے ان کی بعینہٖ عبارت کا نقل قرار نہیں دینا چاہیے۔

تقسیم کے علمی فوائد اور اعتراضات کا جائزہ

علامہ کشمیری کی اس تقسیم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تواتر کے مباحث میں حقیقت پسندی پیدا ہوتی ہے اور طالب علم یہ سمجھ جاتا ہے کہ ہر مشہور خبر کو ایک ہی لفظ سے پکارنا علمی دقت نہیں۔ اس تقسیم سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ متواترِ معنوی اور طرق کی کثرت پر مبنی اخبار میں احتیاط برتنی چاہیے، کیونکہ ان میں اجتہاد اور استخراج کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ بعض ناقدین نے اس تقسیم پر یہ سوال اٹھایا کہ اگر متواتر سے علمِ ضروری نہ ملے تو وہ متواتر کے لازمی وصف سے خالی ہو جائے گا، جس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کشمیری کی مراد قطعی الثبوت ہونے کا انکار نہیں بلکہ حصولِ علم کے انداز اور درجے کی وضاحت ہے، یعنی بعض متواتر کا یقین بداہت سے اور بعض کا یقین تحقیق و نظر کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس وضاحت کے بعد جمہور کے موقف اور کشمیری کی تقسیم میں عملی تعارض باقی نہیں رہتا، بلکہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں: جمہور نے تواتر کی

قطعی حیثیت بیان کی اور کشمیری نے اس قطعیت کے حصول کے مدارج کی نشان دہی کر دی۔ درسی نقطۂ نظر سے بھی یہ تقسیم مفید ہے کیونکہ اس سے طلبہ کے ذہن میں متواتر، مشہور اور خبرِ واحد کے درجات صاف ہوتے ہیں اور وہ روایات کے جائزے میں افراط و تفریط سے بچتے ہیں۔

حاصلِ کلام

حاصل یہ ہے کہ علمِ ضروری وہ علم ہے جو بغیر نظر و استدلال کے خود حاصل ہو اور علمِ نظری وہ ہے جو فکر و دلیل کے بعد حاصل ہو، دونوں کا فرق حصول کے طریقے اور شک کی گنجائش سے نمایاں ہوتا ہے۔ متواتر کی بحث میں علامہ انور شاہ کشمیری نے یہ دقیق نکتہ اجاگر کیا کہ متواتر اخبار میں درجہ بندی پائی جاتی ہے، بعض سے بدیہی اور ضروری علم حاصل ہوتا ہے اور بعض کا یقین تحقیق و نظر کے بعد مکمل ہوتا ہے، خاص طور پر متواتر معنوی میں۔ یہ تقسیم اصولِ حدیث کو جامد تعریفات سے نکال کر واقعاتی جائزے کی طرف لے جاتی ہے اور یہی اس کی علمی قیمت ہے۔

سوال نمبر 3: صحیح لغیرہ پر تفصیلی نوٹ

سوال نمبر 3: صحیح لغیرہ پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔ (20 نمبر)

تعارف

احادیث کی قبولیت کے درجات بیان کرتے وقت محدثین نے صحیح کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ۔ یہ تقسیم حافظ ابن حجر عسقلانی کی نزہۃ النظر کی بدولت اصولِ حدیث میں مستحکم ہوئی اور اس نے اس اہم سوال کا جواب دیا کہ اگر کوئی حدیث اپنے اسناد کے اعتبار سے صحیح کی تمام شرائطِ اعلیٰ پوری نہ کرتی ہو مگر کسی دوسری سند یا مؤید روایت کی مدد سے مضبوط ہو جائے تو اس کا درجہ کیا ہو گا۔ اسی سوال کے جواب کا نام صحیح لغیرہ ہے۔ اس اصطلاح کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ کتبِ حدیث کی بہت سی احادیث اسی درجے میں آتی ہیں اور ان پر عمل کے جواز کا مدار اسی درجہ بندی پر ہے۔ اگر طالب علم صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ کا فرق نہ سمجھے تو وہ یا تو قابلِ عمل احادیث کو معمولی

سمجھ کر چھوڑ دے گا یا کمزور روایات کو اعلیٰ درجہ دے کر خطا کرے گا۔ ذیل میں صحیح لغیرہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اس کی شرائط، حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ سے اس کا فرق، اس کے اسباب و ذرائع، اس کا حکم اور مثالوں کے ساتھ اس کی عملی حیثیت تفصیل سے بیان کی جاتی ہے۔ مثالوں کے باب میں اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ جو مثالیں کتابوں میں عام طور پر دی جاتی ہیں انہیں بطورِ توضیح پیش کیا جائے اور جہاں درجے میں اہلِ علم کا اختلاف معروف ہو وہاں اس کا ذکر بھی کیا جائے۔

لغوی و اصطلاحی تعریف

لفظ صحیح کے معنی تندرست اور سالم کے ہیں، یعنی ایسی حدیث جو سند و متن کے عیوب سے سالم ہو۔ لغیرہ کے معنی ہیں کسی دوسرے کے سبب سے، یعنی ایسی حدیث جو بذاتِ خود صحیح کے مکمل معیار پر نہ اترتی ہو مگر دوسری روایت یا طرق کی تائید سے صحیح کا درجہ حاصل کر لے۔ اصطلاح میں صحیح لغیرہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ حدیث اصل میں حسن لذاتہ ہو، یعنی اس کی سند کے راوی عادل ہوں مگر ان میں سے کسی راوی کا ضبط صحیح کے راویوں کے مقابلے میں کچھ کم ہو، پھر وہی حدیث کسی دوسری سند سے بھی مروی ہو یا اس کی مؤید و شاہد روایت مل جائے، تو دونوں طرق کے ملنے سے اس کی قوت بڑھ کر صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے اور اسے صحیح لغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس تعریف کے تین اجزا ذہن میں رکھنے ضروری ہیں: اول یہ کہ حدیث کی اصل بنیاد حسن لذاتہ کی ہو، دوم یہ کہ تقویت کسی خارجی قرینے یعنی دوسرے طریق یا شاہد سے حاصل ہو، اور سوم یہ کہ مجموعی قوت صحیح کے برابر یا اس کے قریب ہو جائے۔ اگر بنیادی حدیث ضعیف ہو تو کثرتِ طرق سے وہ حسن لغیرہ تو بن سکتی ہے مگر معمول کے مطابق صحیح لغیرہ نہیں بنتی، کیونکہ صحیح لغیرہ کا نقطۂ آغاز حسن لذاتہ ہی ہے۔

صحیح لغیرہ کی شرائط

محدثین نے صحیح لغیرہ کے تحقق کے لیے چند شرائط بیان کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اصل حدیث حسن لذاتہ کے درجے کی ہو، یعنی اس کی سند متصل ہو، راوی عادل ہوں، ان کا ضبط اگرچہ کامل نہ ہو مگر اتنا ہو کہ حدیث حسن کی حد میں داخل ہو جائے، اور حدیث شذوذ و علت سے خالی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس حدیث کا کوئی دوسرا طریق موجود ہو جو کم از کم اسی درجے کا ہو یا اس کی تائید کرنے والا شاہد موجود ہو، اور وہ مؤید طریق اصل حدیث کی کمزوری والے پہلو کو پورا کرتا ہو۔ تیسری شرط یہ ہے

کہ مؤید روایت کسی ایسی علت میں مبتلا نہ ہو جو اسے تائید کے قابل ہی نہ رہنے دے، مثلاً وہ خود کذب یا اتہامِ کذب والی سند سے نہ آئی ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ دونوں طرق کے ملنے کے بعد بھی متن میں کوئی ایسا اضطراب یا معارضہ باقی نہ رہے جو اسے قابلِ احتجاج ہونے سے روک دے۔ ان شرائط کے پائے جانے پر محدث حدیث کو ترقی دے کر صحیح لغیرہ قرار دیتا ہے اور بسا اوقات اس ترقی کا اشارہ اپنی کتاب میں حسن صحیح جیسی مرکب تعبیرات سے بھی کرتا ہے، جیسا کہ امام ترمذی کے یہاں متعدد مقامات پر ملتا ہے۔

صحیح لذاتہ اور حسن سے تقابل

صحیح لذاتہ وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو، راوی عادل اور کامل الضبط ہوں، اور وہ شذوذ و علت سے سالم ہو، یعنی اسے کسی بیرونی مدد کی ضرورت نہیں، وہ اپنے بل بوتے پر اعلیٰ درجے پر قائم ہے۔ حسن لذاتہ اس سے ایک درجہ نیچے ہے جس میں راویوں کا ضبط خفیف ہوتا ہے۔ حسن لغیرہ وہ ضعیف حدیث ہے جو معمولی ضعف، مثلاً کسی راوی کے سوئے حفظ یا انقطاعِ خفیف، کے ساتھ متعدد طرق سے آ کر حسن کا درجہ پا لے، کیونکہ اس کا آغاز ہی ضعف سے ہوتا ہے، اس لیے اس کی ترقی کی آخری حد عام طور پر حسن ہی رہتی ہے۔ اس کے برعکس صحیح لغیرہ کا آغاز حسن لذاتہ سے ہوتا ہے اور انجام صحیح کے درجے پر ہوتا ہے، چنانچہ درجات کی سیڑھی یوں بنتی ہے کہ ضعیف، کثرتِ طرق سے حسن لغیرہ بنتا ہے، حسن لذاتہ مؤید ملنے سے صحیح لغیرہ بنتا ہے اور صحیح لذاتہ سب سے اوپر اپنے ذاتی استحکام کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ یہ درجہ بندی محض نظری نہیں بلکہ اس کے عملی اثرات ہیں، کیونکہ ائمہِ حدیث کے یہاں جب دو روایتوں میں تعارض ہو تو صحیح لذاتہ کو صحیح لغیرہ پر اور صحیح لغیرہ کو حسن پر ترجیح دی جاتی ہے۔

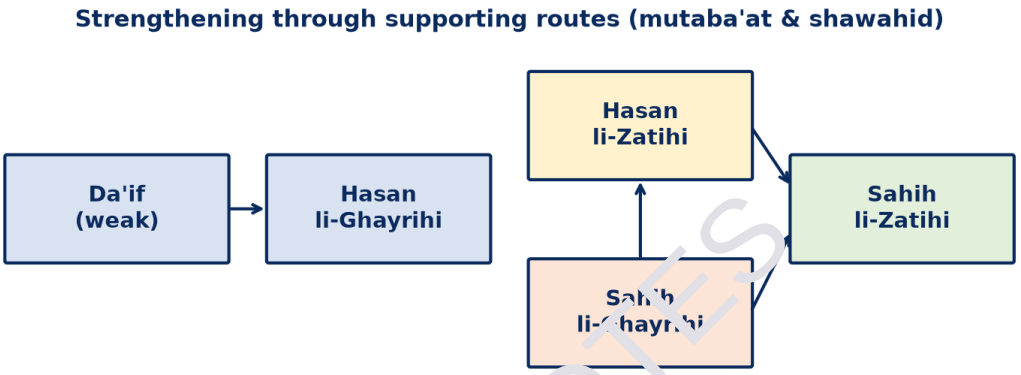
جدول 1: درجاتِ قبول کا تقابل

درجہ	بنیاد	تقویت کا ذریعہ
صحیح لذاتہ	مکمل شرائط: اتصال، عدالت، کامل ضبط، عدمِ شذوذ و علت	کسی خارجی تقویت کی ضرورت نہیں
صحیح لغیرہ	اصل میں حسن لذاتہ، ضبط میں خفیف کمی	دوسرا طریق یا شاہد ملنے سے قوت بڑھ جاتی ہے

حسن لذاتہ	عدالت کے ساتھ ضبط میں کمی، بقیہ شرائط موجود	اپنے درجے پر قائم، ترقی کے لیے مؤید درکار
حسن لغیرہ	اصل میں ضعیف مگر ضعف شدید نہیں	متعدد طرق کے مجموعے سے حسن بنتا ہے

تقویت کے ذرائع اور عملی صورتیں

صحیح لغیرہ کی تقویت عام طور پر تین ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔ پہلا ذریعہ متابعت ہے، یعنی وہی حدیث اسی صحابی سے کسی دوسرے راوی کے طریق سے بھی مروی ہو جائے، جس سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ پہلے راوی نے روایت میں انفراد یا وہم کا ارتکاب نہیں کیا۔ دوسرا ذریعہ شاہد ہے، یعنی اسی مضمون کی حدیث کسی دوسرے صحابی سے مروی مل جائے جو پہلی حدیث کے معنی کی تائید کرے۔ تیسرا ذریعہ عمل و تلقی کے قرائن ہیں، مثلاً امت کے اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل کرنا یا اس کا مشہور کتب میں متعدد اسناد سے آنا۔ نصابی کتب اور اصول کی شرحوں میں اس کی مثال کے طور پر عام طور پر ان احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جنہیں امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور جن کے متعدد طرق بیان کیے ہیں، کیونکہ حسن صحیح کی یہ تعبیر بہت سے مقامات پر اسی صورت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حدیث ایک طریق سے حسن ہے اور دوسرے طریقوں کی وجہ سے صحیح کے درجے میں مانی گئی۔ یہاں یہ علمی تنبیہ ضروری ہے کہ کسی مخصوص حدیث کو صحیح لغیرہ کہنا محققین کے اجتہاد کا نتیجہ ہوتا ہے اور ایک ہی حدیث کے درجے میں محدثین کا اختلاف بھی ہو سکتا ہے، اس لیے درجے کے فیصلے میں ائمہِ فن کی آراء کا موازنہ کر کے رائے قائم کرنی چاہیے، محض ایک حوالے کو قطعی فیصلہ سمجھ کر دوسرے علماء کی آراء سے بے توجہی مناسب نہیں۔ مثال کی سطح پر یہ اصول تو بے اختلاف واضح ہے کہ حسن درجے کی لولا ان اشق والی طرز کی احادیث اپنی مؤیدات سے جس طرح تقویت پاتی ہیں اسی طرز پر حسن لذاتہ روایات اپنے شواہد سے صحیح لغیرہ کا درجہ پاتی ہیں، اور اس توضیح کا مقصد تصور کی وضاحت ہے نہ کہ کسی متنازع درجہ بندی کو قطعی قرار دینا۔



شکل 1: درجات کی ترقی—ضعیف سے حسن لغیرہ اور حسن لذاتہ سے صحیح لغیرہ تک

حکم اور عملی حیثیت

حکم کے اعتبار سے صحیح لغیرہ بھی صحیح ہی کی طرح حجت ہے اور اس پر شرعی احکام میں عمل کیا جاتا ہے، کیونکہ اسے صحیح اور درجہ بہ درجہ علمی اصولوں کی روشنی میں دیا جاتا ہے، یہ کوئی رعایت یا تساہل نہیں۔ فقہاء اور محدثین نے عقائد کے بنیادی مسائل میں تو خاص طور پر صحیح لذاتہ درجے کی روایات کو بنیاد بنایا ہے، لیکن عملی احکام اور فضائل و ترغیب کے ابواب میں صحیح لغیرہ کو بھی اعتماد کے ساتھ لیا گیا ہے۔ اس درجہ بندی کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ محقق جب کسی مسئلے میں متعدد روایات دیکھتا ہے تو ان کی قوت کا درست اندازہ لگا سکتا ہے اور تعارض کی صورت میں ترجیح کے اصول درست طور پر لاگو کر سکتا ہے۔ اگر یہ تقسیم نظر انداز کر دی جائے تو بہت سی قابلِ اعتماد احادیث ناواجب طور پر رد ہو جائیں گی یا بعض کمزور روایات بے جا طور پر مضبوط سمجھ لی جائیں گی۔ اسی لیے محدثین نے اس باب میں بڑی باریک بینی سے کام لیا ہے اور ہر حدیث کا درجہ اس کے طرق کا مکمل جائزہ لے کر متعین کیا ہے۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ کسی حدیث کا درجہ سنتے وقت یہ ضرور دیکھے کہ درجہ لذاتہ ہے یا لغیرہ، اور لغیرہ ہونے کی صورت میں مؤیدات کا جائزہ بھی لے، تب جا کر اس کی علمی تصویر مکمل ہوتی ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح لغیرہ وہ حدیث ہے جو اصل میں حسن لذاتہ ہو اور دوسرے طریق، متابعت یا شاہد کی تقویت سے صحیح کے درجے کو پہنچ جائے۔ اس کی شرائط میں حسن کی بنیاد، مؤید کی موجودگی اور شذوذ و علت سے سلامتی شامل ہیں، اور اس کا حکم حجیت اور قبولیت ہے، اور صحیح لذاتہ سے اس کا فرق صرف تقویت کے ماخذ کا ہے، یعنی ایک کی قوت ذاتی ہے اور دوسرے کی قوت مؤیدات سے حاصل شدہ۔ یہ اصطلاح محدثین کی دقیق درجہ بندی کی روشن مثال ہے جس سے علمِ حدیث کی باریکی اور انصاف دونوں ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال نمبر 4: حدیث موقوف، مقطوع، معنعن اور مؤنن کی وضاحت

سوال نمبر 4: حدیث موقوف، مقطوع، معنعن اور مؤنن کی وضاحت کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

احادیث کی درجہ بندی میں ایک اہم تقسیم اس اعتبار سے کی جاتی ہے کہ روایت کی نسبت اور انتہا کس کی طرف ہے، یعنی سند جہاں جا کر ختم ہوتی ہے وہ ہستی کون ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، کوئی صحابی یا کوئی تابعی۔ اسی تقسیم سے مرفوع، موقوف اور مقطوع کی اصطلاحات پیدا ہوئیں۔ اس کے ساتھ دو مزید اصطلاحات معنعن اور مؤنن ہیں جن کا تعلق انتہا سے نہیں بلکہ سند کے الفاظِ ادا سے ہے، یعنی راوی نے روایت بیان کرتے وقت عن کا لفظ استعمال کیا یا انّ کا۔ ان چاروں اصطلاحات کی سمجھ طالب علم کے لیے اس لیے ناگزیر ہے کہ ان کے بغیر وہ کسی روایت کو دیکھ کر نہ اس کا درجہ سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کی حجیت کا درست فیصلہ کر سکتا ہے، کیونکہ موقوف اور مقطوع کو مرفوع سمجھ لینا یا معنعن سند کو بلا تحقیق متصل مان لینا عام غلطیوں میں سے ہے۔ ذیل میں چاروں اصطلاحات کی الگ الگ تعریف، ان کی اقسام و شرائط، ان کا حکم اور ان کے باہمی فرق کو مثالوں اور جدول کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ مثالوں کے بیان میں عمومی اور غیر متنازع وضاحتی مثالیں اختیار کی گئی ہیں تاکہ تصور صاف ہو اور کسی مخصوص متنازع روایت کے بارے میں قطعی دعویٰ نہ ہو جائے۔

حدیثِ موقوف کی تعریف اور حکم

موقوف اس قول، فعل یا تقریر کو کہتے ہیں جس کی نسبت صحابی کی طرف کی گئی ہو اور سند صحابی پر جا کر رک جائے، یعنی روایت میں یہ بیان ہو کہ فلاں صحابی نے یہ کہا یا یہ عمل کیا، اور بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچائی گئی ہو۔ لفظ موقوف وقف سے بنا ہے جس کے معنی رکنے کے ہیں، اور اسے موقوف اسی لیے کہا گیا کہ سند صحابی پر رک جاتی ہے۔ موقوف کی پہچان کے لیے شرط یہ ہے کہ روایت کا مفہوم نبی کی طرف منسوب نہ ہو، اگر کہیں صحابی کے قول کے ساتھ رفع کی صراحت آ جائے تو وہ موقوف نہیں رہتی۔ حکم کے اعتبار سے موقوف بذاتِ خود نبی کا فرمان نہیں ہوتا، اس لیے اس کی وہ حجیت نہیں ہوتی جو مرفوع کی ہے، لیکن اس کی علمی قدر بہت زیادہ ہے، کیونکہ صحابہ کے اقوال و اعمال تفسیر، فقہ اور سیرت کے فہم میں بنیادی ماخذ ہیں اور بہت سے موقوفات درحقیقت مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں، خاص طور پر جہاں صحابی ایسی بات کہے جو رائے و اجتہاد سے کہی ہی نہیں جا سکتی، مثلاً غیبی امور یا عبادات کے مقادیر کی تعیین، یا صحابی کے الفاظ ہی رفع کی طرف اشارہ کرتے ہوں۔ ان نکتے کو اصولِ حدیث میں مرفوعِ حکمی کے باب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ موقوف کی مثال کی عمومی صورت یہ ہے کہ کسی کتاب میں بیان کیا جائے کہ فلاں جلیل القدر صحابی نے کسی مسئلے میں یہ فرمایا یا یہ عمل اختیار کیا، اور سند انہی پر ختم ہو۔

حدیثِ مقطوع کی تعریف اور حکم

مقطوع اس قول یا فعل کو کہتے ہیں جس کی نسبت تابعی کی طرف ہو اور سند تابعی پر جا کر ختم ہو جائے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مقطوع اور منقطع دو الگ اصطلاحات ہیں جن میں طلبہ اکثر خلط کر بیٹھتے ہیں: مقطوع کا تعلق انتہائے سند سے ہے یعنی روایت تابعی تک پہنچی، جبکہ منقطع کا تعلق سند کے درمیان ٹوٹنے سے ہے کہ کسی مقام پر راوی ساقط ہو گیا ہو۔ مقطوع کا حکم یہ ہے کہ تابعی کا قول بذاتِ خود شرعی حجت کے اس درجے میں نہیں جس درجے میں صحابی کا قول ہے، کیونکہ تابعی نبی کے زمانے سے براہِ راست منسلک نہیں، تاہم تابعین کے اقوال تفسیر، فقہ اور لغتِ حدیث کے فہم میں نہایت قیمتی ہیں کیونکہ انہوں نے علم براہِ راست صحابہ سے حاصل کیا تھا۔ خاص طور پر کبارِ تابعین کے اقوال کو اہلِ علم نے بڑی اہمیت دی ہے اور فقہی استدلال میں ان کے اقوال کو مؤید و مفسر کے طور پر لیا گیا ہے۔ مقطوع روایات زیادہ تر مصنفات اور تفاسیر میں اس صورت میں ملتی ہیں

کہ حسن بصری، سعید بن المسیب، مجاہد اور قتادہ جیسے تابعین کے اقوال و تفسیری بیانات نقل کیے جاتے ہیں۔ طالب علم کو یہ فرق ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ مرفوع نبی تک، موقوف صحابی تک اور مقطوع تابعی تک پہنچنے والی روایت کا نام ہے، اور حجیت کا درجہ بھی اسی ترتیب سے کم ہوتا چلا جاتا ہے، البتہ ہر درجے کی روایت کا اپنا علمی مقام اور فائدہ برقرار رہتا ہے۔

جدول 1: انتہائے سند کے اعتبار سے تین اقسام

قسم	سند کہاں ختم ہوتی ہے	حجیت کا عمومی درجہ
مرفوع	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر	اصل شرعی حجت، قولاً فعلاً تقریراً و وصفاً
موقوف	صحابی پر	نبی کا فرمان نہیں، مگر تفسیر و فقہ میں اہم ماخذ؛ بعض صورتوں میں مرفوعِ حکمی
مقطوع	تابعی پر	براہِ راست حجت نہیں، صحابہ سے مأخوذ علم کی وجہ سے قیمتی ماخذ

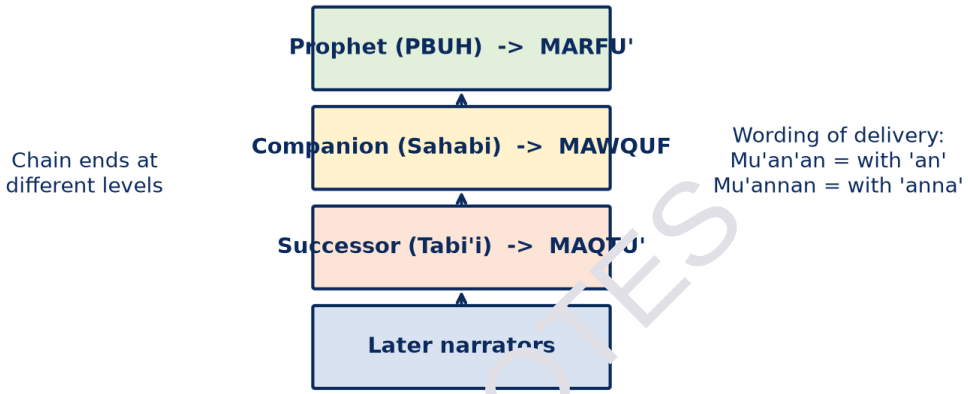
معنعن کی تعریف اور شرائط

معنعن اس سند کو کہتے ہیں جس میں راوی روایت بیان کرتے ہوئے حدثنی یا سمعت جیسے سماع کی صراحت والے الفاظ کے بجائے عن کا لفظ استعمال کرے، یعنی یوں کہے کہ فلاں عن فلاں عن فلاں، کہ فلاں نے فلاں سے روایت کیا۔ ایسی سند کی حدیث کو معنعن کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کی بحث اس سوال سے جڑی ہے کہ آیا محض عن کہنے سے سماع اور اتصال ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ جمہور محدثین کے نزدیک معنعن سند اس وقت متصل اور مقبول مانی جائے گی جب دو شرائط پائی جائیں: پہلی یہ کہ معنعن راوی مدلس نہ ہو، کیونکہ مدلس عن کہہ کر اپنے ضعف کو چھپا سکتا ہے، دوسری یہ کہ راوی اور اس کے شیخ کے درمیان ملاقات یعنی لقا کا ثبوت یا کم از کم معاصرت کے ساتھ ملاقات کا امکان موجود ہو۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمے میں معاصرت اور امکانِ لقا کو اتصال کے لیے کافی قرار دینے کی تفصیلی بحث کی ہے جبکہ امام بخاری اور ان کے ہم نوا علماء نے لقا کے ثبوت کو زیادہ مضبوط معیار قرار دیا ہے، اور یہ اختلاف اصولِ حدیث کی مشہور علمی مباحث میں سے ہے جس کا مطالعہ طلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔ مدلس راوی کی معنعن روایت جمہور کے نزدیک اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی جب تک وہ کسی دوسری جگہ سماع کی صراحت نہ کر دے۔ اس طرح معنعن بذاتِ خود رد کی علامت نہیں بلکہ ایک ایسا اسلوبِ ادا ہے جس کی قبولیت راوی کے حال اور ملاقات کے ثبوت پر موقوف ہوتی ہے۔

مؤنن کی تعریف اور حکم

مؤنن اس سند کو کہتے ہیں جس میں راوی روایت کو انّ کے لفظ کے ساتھ بیان کرے، یعنی یوں کہے کہ عن فلان انّ فلاناً قال، کہ فلاں نے مجھ سے بیان کیا کہ فلاں نے کہا۔ اس ترکیب کو مؤنن اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں انّ کا لفظ نمایاں ہوتا ہے۔ حکم کے اعتبار سے جمہور محدثین کے نزدیک مؤنن کا حکم بھی معنعن ہی کی طرح ہے، یعنی یہ بھی اتصال پر ہی محمول ہو گا جب وہی شرائط پائی جائیں جو معنعن کے لیے بیان ہوئیں: راوی مدلس نہ ہو اور اس کی اپنے شیخ سے ملاقات ممکن ثابت ہو۔ بعض اہلِ علم نے اس نکتے پر گفتگو کی ہے کہ آیا انّ والی صورت سماع پر دلالت میں عن کے برابر ہے یا اس سے کمزور ہے، لیکن راجح اور جمہور کا موقف یہی ہے کہ دونوں کا حکم یکساں ہے اور دونوں کو ایک ہی معیار سے جانچا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی اسلوبِ بیان میں یہ دونوں تعبیرات روایت کی نقل کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور راوی کا مقصد اپنے شیخ سے حصولِ روایت ہی بیان کرنا ہوتا ہے۔ البتہ اگر راوی مدلس ہو تو اس کی مؤنن روایت کے بارے میں بھی وہی احتیاط برتی جائے گی جو معنعن میں برتی جاتی ہے، یعنی سماع کی صراحت طلب کی جائے گی۔ اس بحث کا عملی فائدہ کتبِ حدیث کے مطالعے میں ہر قدم پر ظاہر ہوتا ہے کیونکہ بڑی تعداد میں اسناد انہی دو اسالیب سے آتی ہیں، اور ان کا درست حکم جانے بغیر حدیث کے اتصال و انقطاع کا فیصلہ ممکن نہیں۔



شکل 1: سند کی انتہا—مرفوع، موقوف، مقطوع۔ اور طرزِ ادا: معنعن و مؤنن

چاروں اصطلاحات کا باہمی فرق

ان چار اصطلاحات کا باہمی فرق دو بڑے محوروں پر سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلا محور انتہائے سند ہے جس پر موقوف اور مقطوع قائم ہیں: موقوف صحابی پر اور مقطوع تابعی پر ختم ہوتا ہے، اور یہ دونوں مرفوع کے مقابلے میں آتے ہیں۔ دوسرا محور طرزِ ادا ہے جس پر معنعن اور مؤنن قائم ہیں: معنعن میں عن اور مؤنن میں انّ استعمال ہوتا ہے، اور یہ دونوں کسی بھی قسم کی روایت یعنی مرفوع، موقوف یا مقطوع کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں، کیونکہ ایک ہی سند کے بارے میں یہ سوال الگ ہے کہ وہ کہاں ختم ہوتی ہے اور یہ سوال الگ ہے کہ اس کے راویوں نے کس لفظ سے روایت ادا کی۔ اس دوہری درجہ بندی کی سمجھ سے طالب علم کسی بھی سند کی مکمل تصویر بنا سکتا ہے، مثلاً وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے اور اس کی سند معنعن ہے، یا یہ مقطوع ہے اور اس کے راوی مدلس ہے اس لیے تحقیق درکار ہے۔ یہی وہ باریک بینی ہے جو علمِ حدیث کو محض روایات کے مجموعے سے نکال کر ایک باقاعدہ تنقیدی علم بناتی ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ موقوف صحابی پر، مقطوع تابعی پر ختم ہونے والی روایت ہے، معنعن عن کے لفظ سے اور مؤنن انّ کے لفظ سے بیان کی گئی سند ہے، اور معنعن و مؤنن کی قبولیت جمہور کے نزدیک عدمِ تدلیس اور امکان یا ثبوتِ لقا کی شرائط کے ساتھ ہے۔ ان اصطلاحات کی درستی سے پہچان حدیث کی حجیت اور اتصال کے فیصلوں کی بنیاد ہے اور یہی اس سوال کا مرکزی سبق ہے۔

سوال نمبر 5: مخالفتِ ثقات کی بنیاد پر حدیث کی پانچ قسمیں

سوال نمبر 5: مخالفتِ الثقات کی بنیاد پر حدیث کی کون سی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں؟ ہر ایک کی تعریف کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

علومِ حدیث کا ایک نہایت اہم باب وہ ہے جس میں کسی راوی کی روایت کا دوسرے راویوں، خاص طور پر ثقہ اور معتبر راویوں کی روایات سے موازنہ کیا جاتا ہے۔ محدثین کی تنقیدی روش یہ رہی ہے کہ کسی حدیث کو محض اس کی سند دیکھ کر قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا تقابل ہم عصر و ہم طبقہ ثقہ راویوں کی مرویات سے بھی کیا جاتا ہے، کیونکہ بسا اوقات سند بظاہر درست ہوتی ہے مگر راوی نے کسی نہ کسی مقام پر ثقات کی مخالفت کر کے ایسی غلطی کی ہوتی ہے جو موازنے کے بغیر ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی مخالفت کی مختلف صورتوں سے حدیث کی پانچ اہم قسمیں پیدا ہوتی ہیں جنہیں اصولِ حدیث کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں یہ تنبیہ ابتدا ہی میں مناسب ہے کہ اہلِ فن نے ان اقسام کی گنتی اور ترتیب میں مختلف انداز اختیار کیے ہیں، بعض کتابوں میں مخالفت سے پیدا ہونے والی صورتوں کو کچھ تفصیل کے ساتھ اور بعض میں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، لیکن بنیادی پانچ صورتیں جن پر نصابی درس میں عام اتفاق پایا جاتا ہے وہ یہ ہیں: شاذ، منکر، مضطرب، مقلوب اور مدرج۔ ذیل میں پہلے مخالفتِ ثقات کا مفہوم واضح کیا گیا ہے، پھر ہر قسم کی تعریف، اس کی پہچان، اس کا حکم اور وضاحتی مثال بیان کی گئی ہے، اور آخر میں ان اقسام کا باہمی فرق جدول کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

مخالفتِ ثقات کا مفہوم

ثقات سے مراد وہ راوی ہیں جو عدالت اور ضبط دونوں میں معتبر مانیں گئے ہوں اور جن کی روایات کو اہلِ فن اعتماد کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ جب کوئی راوی اپنی روایت میں ان ثقات کی اجتماعی یا اکثریت کی روایت سے ہٹ جائے، خواہ وہ ہٹنا سند میں ہو یا متن میں، کسی لفظ کے اضافے یا کمی کی صورت میں ہو یا ترتیب کی تبدیلی کی صورت میں، تو اسے مخالفتِ ثقات کہا جاتا ہے۔ یہ مخالفت خود بخود رد کی دلیل نہیں، کیونکہ کبھی کبھی اکیلا روایت کرنے والا خود بھی ثقہ ہوتا ہے اور اس کا انفراد محفوظ زیادتی پر مبنی ہوتا ہے جسے اہلِ علم قبول کر لیتے ہیں، لیکن جب مخالفت غیر محفوظ ہو، یعنی اس کے مقابلے میں ثقات کی روایت راجح ثابت ہو، تو حدیث پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ شذوذ وغیرہ کے زمروں میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے محدثین نے مخالفت کی صورتوں کو نہایت دقت سے الگ الگ نام دیے تاکہ ہر صورت کا حکم بھی الگ متعین ہو سکے۔ اس باب کو سمجھنا نقادِ حدیث کی تربیت کا لازمی حصہ ہے۔

1 — شاذ

شاذ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں یا ثقات کی جماعت کی مخالفت کرے، یعنی ثقہ ہونے کے باوجود اس کی روایت راجح روایت کے خلاف آ جائے۔ یہ تعریف امام شافعی کی مشہور تعریف سے مأخوذ ہے جو اس باب میں زیادہ جامع مانی جاتی ہے، کیونکہ بعض اہلِ علم نے شاذ کو محض منفرد روایت کہا تھا مگر درست معیار یہی ہے کہ شذوذ انفراد کا نام نہیں بلکہ ثقہ کی مخالفتِ راجح کا نام ہے، چنانچہ ثقہ راوی کی وہ منفرد روایت جو ثقات کے خلاف نہ ہو شاذ نہیں کہلاتی بلکہ محفوظ زیادتی کے طور پر قبول ہو سکتی ہے۔ شاذ کا حکم یہ ہے کہ وہ مردود ہوتی ہے، کیونکہ مقابلہ راجح روایت سے ہے اور راجح کو مرجوح پر مقدم رکھنا علمی اصول ہے۔ شذوذ کبھی سند میں ہوتا ہے، مثلاً ثقات کسی حدیث کو موقوف روایت کریں اور ایک ثقہ اسے مرفوع بیان کر دے، اور کبھی متن میں ہوتا ہے، مثلاً ثقات کے بیان کردہ متن کے خلاف کوئی لفظ یا مفہوم آ جائے۔ طالب علم کے لیے مثال کی عمومی صورت یہ ہے کہ کسی مشہور حدیث کو اہلِ فن کی اکثریت ایک خاص سند و متن سے روایت کرے اور ایک ثقہ راوی اس کے برعکس صورت بیان کرے تو دوسری صورت شاذ کہلائے گی اور پہلی صورت کو محفوظ کہا جائے گا۔

2 ــ منکر

منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی ضعیف راوی ثقہ راویوں کی مخالفت کرے، یعنی شاذ کا الٹا رخ یہ ہے کہ مخالفت کرنے والا خود کمزور ہو اور مقابلہ معتبر راویوں سے ہو۔ بعض اہلِ علم نے منکر کی تعریف میں یہ بھی کہا ہے کہ وہ روایت جو ضعیف راوی سے منفرد طور پر آئے اور اس کی کوئی مؤید روایت نہ ملے وہ بھی منکر کے حکم میں داخل ہوتی ہے، اور ابن حجر نے ان دونوں صورتوں کو جمع کر کے منکر کی جامع تعریف پیش کی ہے۔ منکر کا حکم بھی مردود ہونا ہے بلکہ اس کا رد شاذ کے مقابلے میں زیادہ واضح ہے کیونکہ یہاں کمزوری دوہری ہے: ایک طرف راوی ضعیف ہے اور دوسری طرف اس کی بات معتبر روایات کے خلاف ہے۔ منکر اور شاذ کا بنیادی فرق راوی کے درجے کا ہے: شاذ میں مخالف راوی ثقہ ہوتا ہے اس لیے وہاں دقتِ موازنہ زیادہ درکار ہوتی ہے جبکہ منکر میں مخالف راوی ضعیف ہوتا ہے اس لیے اس کی پہچان نسبتاً آسان ہو جاتی ہے۔ اسی فرق کی بنا پر محدثین نے دونوں کو الگ اصطلاحات دیں، ورنہ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ روایت اپنے مقابل کی راجح روایت کے سامنے قبولیت کھو دیتی ہے۔ عملی مطالعے میں جب کسی ضعیف سند کی روایت کا متن مشہور و محفوظ متون سے ٹکراتا ہوا محسوس ہو تو وہاں نکارت کا شبہ پیدا ہوتا ہے اور محقق اس کی مزید تحقیق کرتا ہے۔

3 ــ مضطرب

مضطرب اس حدیث کو کہتے ہیں جسے مختلف صورتوں میں روایت کیا گیا ہو اور ان صورتوں میں باہم مخالفت پائی جائے، لیکن کسی ایک صورت کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی راہ نہ نکل سکے، یعنی نہ راویوں کے درجے میں فیصلہ کن فرق ہو، نہ قرائن سے کسی صورت کا رجحان ثابت ہو۔ اضطراب کبھی سند میں ہوتا ہے کہ ایک ہی حدیث کے راویوں میں اختلاف ہو جائے کہ یہ کس کی روایت ہے، کبھی متن میں ہوتا ہے کہ ایک ہی واقعے کی روایت متضاد مضامین کے ساتھ آئے۔ مضطرب کا حکم یہ ہے کہ وہ ضعیف مانی جاتی ہے، کیونکہ اضطراب اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ راویوں نے روایت کو ضبط سے ادا نہیں کیا۔ البتہ دو اہم قیود ذہن میں رہنی چاہئیں: ایک یہ کہ اگر مخالفت باہم جمع کرنا ممکن ہو تو حدیث مضطرب نہیں کہلائے گی، اور دوسری یہ کہ اگر کسی صورت کو ترجیح مل جائے تو راجح صورت قبول اور مرجوح مؤول یا مردود ہو گی، اضطراب کا حکم صرف اسی وقت لگے

گا جب جمع اور ترجیح دونوں کی راہیں بند ہو جائیں۔ محدثین کے ہاں اضطراب کی تشخیص بڑی مشق اور وسیع مطالعۂ طرق چاہتی ہے، اور اسی لیے اس باب میں جلد بازی سے کسی مشہور حدیث کو مضطرب کہہ دینا علمی احتیاط کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

4 ــ مقلوب

مقلوب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں قلب یعنی الٹ پلٹ واقع ہو گئی ہو خواہ وہ سند میں ہو یا متن میں۔ قلبِ سند کی صورتیں یہ ہیں کہ کسی راوی کا نام اس کے باپ کے نام سے بدل دیا جائے، یا ایک سند کو دوسری سند کی جگہ رکھ دیا جائے، یا ایک متن کی سند دوسرے متن سے جوڑ دی جائے، جبکہ قلبِ متن کی صورت یہ ہے کہ متن کے الفاظ یا جملوں کی ترتیب آگے پیچھے ہو جائے یا ایک چیز کی نسبت دوسری چیز کی طرف کر دی جائے۔ قلب کی وجوہات مختلف ہو سکتی ہیں: کبھی یہ راوی کی سہو و نسیان سے ہوتا ہے، کبھی شاگرد کی آزمائش کے لیے اساتذہ دانستہ قلب کر کے دیکھتے تھے کہ طالب علم متنبہ ہوتا ہے یا نہیں، اور کبھی سرقۂ حدیث یعنی روایت چرانے والا سندیں الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔ مقلوب کا حکم یہ ہے کہ جس روایت میں قلب ثابت ہو جائے وہ اس صورت میں مردود ہوتی ہے اور اس کی اصل محفوظ صورت تلاش کی جاتی ہے۔ قلب کی پہچان بھی موازنۂ طرق ہی سے ہوتی ہے، یعنی جب مختلف ثقات کی روایات جمع کی جائیں تو الٹی ہوئی صورت فوراً نمایاں ہو جاتی ہے، اسی لیے یہ قسم بھی مخالفتِ ثقات ہی کے باب سے پیدا ہوتی ہے۔ اس باب کی تاریخی مثالیں اصول کی کتابوں میں اس واقعے کے تناظر میں ملتی ہیں جہاں اہلِ بغداد نے امام بخاری کی آزمائش کے لیے اسناد و متون کو الٹ کر پیش کیا اور امام نے ہر ایک کو اس کی اصل پر لوٹا دیا، جو اس فن کی نہایت مشہور حکایت ہے۔

5 ــ مدرج

مدرج اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں راوی یا کسی ناقل کا اپنا کلام اصل متن کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ سننے والا اسے حدیث ہی کا حصہ سمجھے، چاہے وہ اضافہ متن کے شروع میں ہو، درمیان میں یا آخر میں، اور چاہے وہ کسی لفظ کی تشریح کے طور پر ہو یا راوی کی اپنی رائے کے طور پر۔ سند میں ادراج کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی متن کی مختلف اسناد کو یوں ملا دیا جائے کہ وہ ایک سند معلوم ہو۔ ادراج کی سب سے عام صورت یہ ہے کہ راوی کسی مشکل لفظ کی وضاحت اپنے الفاظ میں کرے اور بعد کے ناقلین اس وضاحت

کو متن سے جدا نہ رکھیں۔ مدرج کا حکم یہ ہے کہ مدرج حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہوتا اس لیے اسے حدیث کے طور پر قبول نہیں کیا جاتا، البتہ باقی اصل متن اگر اپنی شرائط پر پورا اترے تو وہ اپنی جگہ مقبول رہتا ہے۔ ادراج کی پہچان کے ذرائع یہ ہیں کہ کسی دوسری روایت میں وہی متن اضافے کے بغیر مل جائے، یا راوی خود تصریح کر دے کہ یہ بات اس کی اپنی ہے، یا اہلِ فن کے نزدیک اس اضافے کا اسلوب اصل عبارت سے الگ پہچانا جائے۔ مخالفتِ ثقات کے باب میں مدرج کی شمولیت اس لیے ہے کہ مدرج روایت جب ثقات کی خالص روایت کے مقابلے میں آتی ہے تو اس زیادتی کی مخالفت ظاہر ہو جاتی ہے اور محقق اسے اصل متن سے الگ کر لیتا ہے۔ اس باب کا سبق یہ ہے کہ متنِ حدیث کی حفاظت میں صرف سند ہی نہیں بلکہ عبارت کی خالصیت بھی حدیث کی تنقید کا موضوع رہی ہے۔

جدول 1: مخالفتِ ثقات سے پیدا ہونے والی پانچ اقسام

حکم	مخالفت کی صورت	قسم
مردود، مقابل صورت محفوظ	ثقہ راوی راجح ثقات کی مخالفت کرے	شاذ
مردود	ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے	منکر
ضعیف	متضاد صورتیں، جمع و ترجیح دونوں ناممکن	مضطرب
مقلوب صورت مردود، اصل تلاش کی جاتی ہے	سند یا متن میں الٹ پلٹ واقع ہو	مقلوب
مدرج حصہ حدیث نہیں، اصل متن برقرار رہ سکتا ہے	راوی کا کلام متن میں شامل ہو جائے	مدرج

حاصلِ کلام

حاصل یہ ہے کہ مخالفتِ ثقات محدثین کے تنقیدی منہج کا مرکزی اصول ہے جس سے شاذ، منکر، مضطرب، مقلوب اور مدرج جیسی اہم اقسام پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے ہر قسم مخالفت کی ایک الگ صورت اور الگ حکم رکھتی ہے، اور ان سب کی تشخیص کا مشترکہ ذریعہ طرق کا موازنہ اور اہلِ فن کی تحقیق ہے۔ یہ باب اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ علمِ

حدیث میں روایت کی قبولیت صرف سند کی ظاہری درستی پر نہیں بلکہ مجموعی علمی موازنے پر مبنی ہوتی ہے، اور یہی اس علم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ آخر میں یہی تنبیہ دہرائی جاتی ہے کہ ان اقسام کی گنتی کی ترتیب کتبِ اصول میں مختلف انداز سے بھی ملتی ہے، اس لیے نصابی کتاب کی بیان کردہ ترتیب کو سامنے رکھ کر مطالعہ کرنا چاہیے۔

USMAN NOTES
www.usmannotes.com